ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

مولانا حالی سے معاصر نظم تک کا اجمالی جائزہ

A CONCISE REVIEW OF POEM FROM MAULANA HAALI TO THE PRESENT ERA

ڈاکٹر محمد شفیق آصف

محمد عمیر آصف

صدر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف میانوالی

ایم فل ریسرچ اسکالر یونیورسٹی آف سرگودھا

Abstract

The poem is a beautiful kind of Urdu poetry. Its initial period consists of classical poem. Anjuman Punjab has brought reforms and portryed natural colours in Urdu Poem. Raashid and Meera Jee are founders of modern poem. Faiz Ahmad Faiz and Saahir Ludhyanwi have given progressive thoughts to the poem. Moreover, Majeed Amjad, Jeelani Kamran, Wazir Agha, Akhtar Hussain Jaffari, Ahmad Nadeem Qasmi, Zia Jalandhari and Qayyum Nazar have broadened the canvass of modern poem with regards to thematic aspects. The creation of Urdu poem has opend many horizons from Maulana Haali to the present era.

برصغیر کی سیاسی و سماجی زندگی میں 1857ء کی جنگِ آزادی بہت اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ انگریزوں نے اسے بغاوت کا نام دے کر برصغیر کے مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ ہر چند کہ برصغیر کی جنگِ آزادی میں ہندوستان کے تمام طبقوں اور مذاہب کے لوگ شامل تھے تاہم انگریزوں نے اس لیے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے کہ اُنھوں نے برصغیر کے مسلمانوں سے حکومت چھینی تھی۔ لہٰذا وہ مسلمانوں ہی کو اپنا اصل حریف سمجھتے تھے۔ ایسے حالات میں ہندوؤں اور سکھوں نے فوری طور پر انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر مسلمانوں کو مزید تنہا کر دیا۔ 19 ستمبر 1858ء کو انگریزوں نے اپنی وفادار فوجوں کے ذریعے دِلّی پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا اور یوں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے یہ دن قیامتِ صغریٰ ثابت ہوا۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

اسی دِن بہادر شاہ دلّی کے لال قلعہ پر حسرت کی آخری نظر ڈال کر باہر نکلے، وہ لال قلعہ جو اُن کے آباؤ اجداد نے تعمیر کیا تھا اور جو مغلوں کے جاہ و جلال اور عظمت و افتخار کا نشان تھا، ویران ہو گیا، بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر اور شاہ جہان کا وارث پابجولاں تھا، جہاں اُس کے اباؤ جداد کے فتح مند لشکروں کے سامنے بڑے بڑے سرکش اور غیور سرداروں کے سر جھک گئے تھے، انگریزوں نے اپنی فتح کا جشن خون کی ہولی سے منایا اور بے کس بادشاہ کے سامنے اُس کے بیٹوں اور پوتوں اور عزیزوں کو گولی سے اُڑا دیا گیا۔(1)

انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کو سزا کے طور پر رنگون بھیج دیا، جہاں وہ 1862ء میں انتقال کر گئے، ایسے حالات میں برصغیر کا ہر مسلمان مایوسی اور شکست خوردگی کا شکار ہو گیا۔ انگریزوں نے جنگِ آزادی کو غدر کا نام دے کر برصغیر کے مسلمانوں کے لیے معاشی، سماجی اور سیاسی ترقی کے سب دروازے بند کر دیئے، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی رقم طراز ہیں:

جدید اسلامی ہند کی تاریخ میں 1858ء کے واقعات کی دوگونہ اہمیت ہے۔ ایک طرف اِن واقعات نے سلطنتِ مغلیہ کے تصور کو آخری اور کاری ضرب لگائی اور دوسری طرف زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں کے زوال اور انحطاط پر مہر ثبت کر دی۔(2)

اِنھی دنوں یورپ اور بالخصوص برطانیہ میں صنعتی انقلاب کا آغاز ہو چکا تھا لہٰذا انگریزوں نے مشینوں سے بنائے ہوئے کپڑے کو برصغیر کی منڈیوں میں نہ صرف پھیلا دیا بلکہ برصغیر میں بنائی جانے والی قیمتی ململ اور ریشم کے کاریگروں کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے ”یہ صرف من گھڑت افسانے نہیں، تاریخ کے اوراق میں اس کی شہادتیں ثبت ہیں۔ غرض اس طرح بے شمار صنعتیں اور پیشے تباہ و برباد ہو گئے اور صناع اور کاری گر محتاج پھرنے لگے، اِن کی تباہی کا ذکر ہمارے شعراء نے اپنے شہر آشوبوں میں کیا ہے۔“ (3)

سیاسی و سماجی اعتبار سے یہ عہد برصغیر کے تمام لوگوں اور بالخصوص مسلمانوں کے لیے ابتلا کا دور ثابت ہوا، ایسے حالات میں برصغیر کے علماء کا طبقہ انگریزوں سے تعاون اور میل میلاپ کو گناہ کے برابر گردانتا تھا۔ 1858ء کے بعد کا انگریزوں نے ہندوؤں اور سکھوں کو مراعات دے کر مسلمانوں کا بھرپور استحصال کیا، انگریزوں نے

اپنے نام نہاد مہذب پن کے نشے میں برصغیر کے مسلمانوں کی تہذیبی اور اخلاقی اقدار کا مذاق اُڑایا، اِن دنوں مسلمان شدید قسم کی مایوسی کا شکار تھے اور اُنھیں کوئی راہ سجھائی نہ دے رہی تھی۔ ایسے حالات میں سر سیّد احمد خان اور اُن کے رفقائے کار نے مسلمان قوم کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے سیاست، تعلیم، مذہب، معاشرتی اصلاح، معاشیات اور زبان و ادب کے لیے بہت کام کیا۔ سر سیّد احمد خان نے سب سے پہلے اپنی مشہور تصنیف "رسالہ اسبابِ بغاوت ہند" میں اُن حالات و واقعات کو قلم بند کیا جو جنگِ آزادی 1857ء کا باعث پیدا ہوئے۔ اِس کتاب کا انگریزی زبان میں ترجمہ برطانوی پارلیمنٹ کے اراکین کے لیے بطورِ خاص شائع کرایا گیا۔ سر سیّد احمد خان نے اِس کتاب میں مسلمانوں کے مذہبی اور معاشی استحصال پر تفصیل سے روشنی ڈالی، علاوہ ازیں سر سیّد نے اِس اَمر پر بھی روشنی ڈالی کہ انگریزوں نے اُمورِ حکومت میں برصغیر کے عوام اور بالخصوص مسلمانوں کو شعوری طور پر نظر انداز کیا تھا، لہٰذا انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان دُوریاں پیدا ہونا فطری اَمر تھا، سر سیّد احمد خان کا لکھا ہوا "رسالہ اسبابِ بغاوت ہند" اُن ظلم و ستم کا بھی احاطہ کرتا تھا، جو انگریزوں نے مسلمانوں سے وقتاً فوقتاً روا رکھے تھے، سر سید احمد خاں کی یہ کاوشیں اس لیے بھی اہم ہیں کہ انھیں برطانوی پارلیمنٹ کے اراکین نے سنجیدگی سے لیا اور کسی حد تک غلط فہمیاں دور ہوئیں۔

لہٰذا ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

1858ء کے ہنگامہ میں مسلمانوں کے غم و غصہ اور نفرت کا جواز پیش کرنے کے باوجود سر سیّد احمد خان کو اپنے محاذ کی کمزوری کا بھی پورا احساس تھا، وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر اِس قوم کو زندہ رہنا اور ترقی کرنا ہے، تو اُسے بہت کچھ اپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔ اس تبدیلی کے لیے زندگی کا ایک نقطہ نظر اختیار کرنا پڑے گا جس کی بنیاد صرف روایت پرستی پر اُستوار نہیں ہو سکتی اور نہ محض جذبات پر قائم ہو سکتی ہے۔ اِس انقلاب کے لیے اُن کے خیال میں سب سے پہلے مفاہمت اور افہام و تفہیم کی ضرورت تھی۔(4)

اِس صورتِ حال میں سر سیّد احمد خان نے مغرب کے ایسے عناصر کو قبول کرنے پر زور دیا جو برصغیر کے مسلمانوں کو پس ماندگی اور مسائل سے نکال سکتے تھے، لہٰذا سر سیّد نے ایک مصلح بن کر مسلمانوں کو جدید علوم کی جانب راغب کرنے کی شعوری کوشش کی، جسے بعد ازاں "سر سیّد تحریک" کے نام سے موسوم کیا گیا، اسی دوران سر سیّد احمد خان نے "تہذیب الاخلاق" کے نام سے ایک ایسا رسالہ جاری کیا جس میں معاشی اور معاشرتی زندگی کے بارے میں معروضی نقطہ نظر اختیار کر کے مسلمان قوم کے لیے ایک نئے اندازِ فکر اور عقل و دانش کی راہ نکالی "اس رسالے نے اُردو زبان و ادب، شاعری اور تنقید میں ایک عہد آفریں کام کیا۔ روایت پرستی کے خلاف مقصدی اور مفید ادب کی تخلیق اس نئی ادبی تحریک کی اساس ہے جسے سر سیّد کی ادبی تحریک کا نام دیا جاتا ہے۔"(5) اِس تحریک کے تحت سر سیّد احمد خان نے مسلمان قوم کی اصلاح کے ساتھ علمی، ادبی اور سیاسی ترقی کے حوالے سے بے پناہ کام کیا، سر سیّد تحریک کا کمال یہ ہے کہ اِس کے زیرِ اثر تعلیم اور ادبی رجحانات میں ایک نیا موڑ اور تبدیلی آئی۔

سر سیّد کے ساتھ اِن تحریک کو پروان چڑھانے میں مولانا محمد حسین آزاد(1830ء تا1910ء)، نذیر احمد(1831ء تا1912ء)، الطاف حسین حالی (1837ء تا1914ء) اور مولانا شبلی نعمانی(1857ء تا1914ء) جیسے معتبر رفقائے کار نے اہم کردار ادا کیا۔

اُردو ادب کی تاریخ میں یہی تحریک قدیم اور جدید کے درمیان حدِّ فاصل ہے۔ اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُردو شعراء اور مصنفین کو ایک نیا ادبی نقطہ نظر ملا اور نئے ادبی اُفق نظر آئے۔ اس تحریک نے موضوعات کو وسعت بخشی۔ بیان کی سلاست اور سادگی پر زور دیا اور اسالیب کو ایک تعمیری اور بامقصد ادب کی تخلیق کا ایک ذریعہ بتایا۔ اس ادب کی بنیاد عقلیت اور حقیقت پسندی پر تھی، اِس کا انداز جذباتی ہونے کی بجائے معروضی تھا۔(6)

سر سیّد تحریک اُردو ادب میں ایک ایسی تبدیلی لائی جس کی اِس سے قبل کوئی مثال نہیں ملتی، اس سے پہلے شعر و ادب میں خیالی مضامین اور زبان و بیان کا مصنوعی رجحان غالب تھا اور نثری ادب میں طویل داستانوں اور قصے کہانیوں کی بھرمار تھی۔ ایسے حالات میں سر سیّد نے بامقصد اور تعمیری ادب پر زُور دیا، اسی تحریک کے زیرِ اثر نواب مشتاق حسین وقار الملک(1893ء تا1917ء) شمس العلماء مولوی ذکاءاللہ(1832ء تا1910ء) نواب محسن الملک سید مہدی علی خان(1837ء تا1907ء) (سید علی بلگرامی 1851ء تا1911ء) اور جسٹس امیر علی جیسے قابلِ قدر لوگ پیدا ہوئے۔

سر سید احمد خان کو اِس بات کا گہرا ادراک تھا کہ اگر برصغیر کے مسلمان نئے علوم و فنون سے استفادہ نہیں کریں گے، تو وہ ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جائیں گے، لہٰذا سر سید نے ایک کمیٹی "کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانانِ ہند" کے نام سے قائم کی اور انگلستان یاترا کے بعد برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک تعلیمی ادارے کا پروگرام مرتب کیا، جو بعد ازاں ایک مدرسے سے شروع ہو کر محمڈن اینگلو اورینٹل کالج اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے درجات تک پہنچا، انہی تعلیمی اداروں نے برصغیر کے مسلمانوں کو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

جدید تعلیم سے آراستہ کرنے میں اہم ترین کردار ادا کیا، سرسیّد تحریک نے تعلیم کے فروغ کے علاوہ اُردو ادب کو نئے ادبی اسالیب سے روشناس کرانے میں اہم ترین کردار ادا کیا "مولانا حالی نے سرسیّد کی تحریر کی ان خصوصیات کے بارے میں طویل بحث کی ہے۔ ان کے نزدیک سرسیّد کی نثر کی اہم بنیادیں تین ہیں۔ سادگی، بے تکلفی اور بے ساختگی اور مدعانویسی۔ انہی اوصاف کے مجموعے کو اُنھوں نے "نیچرل طرزِ بیان" سے تعبیر کیا ہے یعنی ایسا طرزِ بیان جو مصنف اور قاری دونوں کی طبیعت کے لیے مانوس ہو اور اِس میں آورد تکلف اور بناوٹ کو دخل نہ ہو"(7) برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، تعلیمی اور ادبی زندگی میں سرسیّد احمد خان اور اُن کی تحریک کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں، اسی تحریک کے زیرِ اثر مسلمانوں کے افکار میں تبدیلی آنے کے ساتھ ساتھ سیاسی بیداری بھی پیدا ہوئی۔

مولانا الطاف حسین حالی سرسید تحریک کے ایسے رُکن ہیں، جنھوں نے اِس تحریک کے گہرے اثرات قبول کیے، جو بعد ازاں اُردو شاعری کی جدید تنقید کی شکل میں ظہور پذیر ہوئے، حالی نے نہ صرف اُردو تنقید میں نام پیدا کیا بلکہ اُن کی تخلیقی کاوشوں کی بدولت جدید اُردو نظم کی روایت بھی مستحکم ہوئی، حالی سرسیّد کے افکار کے زیرِ اثر رہنے کے باوجود اپنا ایک الگ اُسلوب اور فکری نظام رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر سیّد محمد عبد اللہ رقمطراز ہیں:

سیّد صاحب کے اُسلوب کی تین خصوصیات حالی کے اُسلوب میں ملتی ہیں (اوّل) سادگی (دوم) منطقیت (سوم) بے تکلف اظہار۔ اِن تین اُمور میں وہ سب رفقاء کے مقابلے میں سیّد صاحب سے زیادہ قریب ہیں مگر دونوں کے اُسلوب کا باہمی فرق باہمی مماثلت کے مقابلے میں زیادہ نمایاں ہے۔ سرسیّد کے بیان کی سادگی بے رنگ اور کرخت سادگی ہے، مگر حالی کے بیان میں سادہ ہونے کے باوجود لطافت اور نفاست کا عنصر بھی ہے۔ پھر سرسیّد کی تحریروں میں منطقیت کچھ زیادہ نمایاں ہے اور ابہام حالی کے مقابلے میں کم ہے مگر حالی کی تحریروں میں منطقیت کی گرفت اتنی مضبوط نہیں۔ اس میں شاعرانہ رمزیت اور ابہام کے لطیف عناصر سرسیّد صاحب کی تحریر کے مقابلے میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ حالی بھی سرسیّد کی طرح استدلال سے کام لیتے ہیں مگر ان کا استدلال شاعرانہ ہونے کی وجہ سے مغالطہ انگیز ہوتا ہے۔(8)

اُردو ادب میں جدید شاعری کی ابتدا 1856ء میں لاہور میں انجمن پنجاب کے نظمیہ مشاعروں سے ہوتی ہے، اِس تنظیم کے اصل محرک ڈاکٹر جی ڈبلیو۔لائٹز تھے، جو بنیادی طور پر ماہر تعلیم تھے، وہ گورنمنٹ کالج لاہور اور اورینٹل کالج کے سربراہ کے طور پر اپنی ایک الگ پہچان رکھتے تھے۔

انجمن پنجاب سے قبل غزل کے طرحی مشاعروں کا رواج تھا، جن میں شعراء پہلے سے دیئے گئے مصرعہ طرح پر غزل کہہ کر لاتے تھے۔ ہر چند کہ ایک زمانے میں یہی طرحی مشاعرے اُردو زبان و ادب کے فروغ کا باعث بنے، تاہم 1857ء کے بعد حالات نے جو کروٹ لی اور پھر انجمن پنجاب نے جو موضوعاتی نظمیہ مشاعرے شروع کیے، وہ اُردو شاعری میں نئی تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت ہوئے، اِن نظمیہ مشاعروں میں شعراء غزل کی بجائے نظمیں کہتے، جو مثنویوں کی طرح مسلسل نظم کی صورت اختیار کر لیتیں، اس سے قبل مختلف موضوعات پر مسلسل نظمیں لکھنے کے حوالے سے نظیر اکبر آبادی کی مثال بہت نمایاں ہے، نظیر اُس دَور کا ایسا شاعر تھا، جس کے ہاں اندازِ بیاں اور افکار کی تازگی نظر آتی ہے، اسی دَور میں انجمن پنجاب کے مشاعرے خاصے مقبول ہوئے اِن نظمیہ موضوعاتی مشاعروں میں محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کے علاوہ بہت سے دوسرے شعراء بھی ذوق و شوق سے شریک ہوتے۔ مثنوی "برکھارُت" حالی نے اُسی دور میں تخلیق کی، تاہم مولانا حالی کا اصل کارنامہ اُن کی مشہور مسدس "مدوجزر اسلام" ہے جس کا اصل محرک سرسیّد احمد خان کو قرار دیا جاتا ہے۔ مسدّسِ حالی دراصل ایک قومی اور تاریخی نوعیت کی نظم ہے جو 1879ء میں منصہ شہود پر آئی اور اِس نظم میں مولانا حالی نے شعر و شاعری کے مقصد اور اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کی، اس نظم کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ اس کی بدولت اُردو میں قومی شاعری کی روایت کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

مسدّسِ حالی میں جہاں شاعر نے مسلمان قوم کی زبوں حالی کا تذکرہ کیا وہاں اُن کے دلوں میں اُمید کی شمع جلانے کی کوشش بھی کی گئی، اس حوالے سے اِس طویل نظم میں سے نمونہ کلام ملاحظہ کیجئے۔

مصائب نے جب آن کر اُن کو گھیرا
سہارا وہاں سب کو تھا ایک تیرا
بہت ڈوبتوں کو ترایا ہے تُو نے
بگڑتوں کو اکثر بنایا ہے تُو نے
اُکھڑتے دلوں کو جمایا ہے تُو نے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

اُجڑتے گھروں کو بسایا ہے تُو نے

بہت تُو نے پستوں کو بالا کیا ہے

اندھیرے میں اکثر اُجالا کیا ہے

''مسدس حالی'' اگرچہ مولانا حالی کی ایک عظیم کاوش ہے تاہم اُنھوں نے بہت سی ایسی نظمیں بھی تخلیق کی ہیں جس میں اُنھوں نے شاعری کے اعلیٰ معیارات قائم کیے ہیں اور بعد ازاں ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں شاعری کی خصوصیات اور نئے تقاضوں کو موضوع بحث بنایا ہے___''مسدسِ حالی'' کی مقبولیت کے بعد مولانا الطاف حسین حالی کی اُن نظموں کو خصوصی پذیرائی ملی جو اُنھوں نے انجمن پنجاب کے نظمیہ مشاعروں کے لیے تخلیق کیں، انجمن پنجاب ہی کے مشاعروں سے نیچرل شاعری کا باقاعدہ آغاز ہوا، ہر چند کہ اِس سے قبل اُردو مثنویوں میں موسم، فطرت اور پھلوں کے حوالے سے خوبصورت اشعار ملتے ہیں، تاہم مولانا حالی نے نیچرل شاعری کا مفہوم وسیع تر معنوں میں پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے خیال میں ''اس سے مراد اس قسم کی شاعری ہے جو لفظاً اور معناً دونوں طرح نیچرل یعنی فطرت کے مطابق ہو'' (9) نیچرل شاعری کے ضمن میں حالی کی بہت سی نظمیں موجود ہیں تاہم اِس حوالے سے اُن کی مثنوی ''برکھارُت'' سے نمونہ کلام دیکھئے:

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا

اک شور ہے آسماں پہ برپا

ہے ابر کی فوج آگے آگے

اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہَوا کے

ہیں رنگ برنگ کے رسالے

گورے ہیں کہیں، کہیں ہیں کالے

پانی سے بھرے ہوئے جل تھل

ہے گونج رہا تمام جنگل!

کرتے ہیں پپیہے پِہو پِہو

اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سُو

کوئل کی ہے کوک جی لُبھاتی

گویا کہ ہے دل میں بیٹھ جاتی

مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے

سنسار کو سر پہ ہیں اُٹھاتے

نظم کے پیرائے میں برسات کے ایسے مناظر نیچرل شاعری کے ضمن میں بہت اہم حوالے ہیں۔

حالی کی خصوصیت یہ ہے کہ اُنھوں نے یہ نظم شعوری طور پر ایک نئی تحریک کی ترجمانی کے لیے لکھی ہے اور وہ اِس کوشش میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔(10)

مولانا الطاف حسین حالی انجمن پنجاب کے اِن موضوعاتی نظمیہ مشاعروں میں زیادہ دیر تک شامل نہ رہ سکے اور جیسا کہ اُنھوں نے خود تحریر کیا ہے کہ وہ صرف چار مشاعروں میں شریک ہونے پائے تھے کہ '' سبب ناموافقت آب وہَوا کے '' لاہور سے تبدیل ہو کر دہلی چلے آئے اور اِن مشاعروں کی یادگار اُن کی چار مثنویاں برکھارُت، نشاط اُمید، حبِ وطن اور مناظرہ رحم و انصاف ہیں۔''(11)

حالی کے علاوہ اس تحریک میں مولانا محمد حسین آزاد سب سے نمایاں اور معتبر تھے، مولانا محمد حسین آزاد کے مجموعہ نظم آزاد میں اولین دس مثنویاں وہی ہیں، جو انجمن پنجاب کے نظمیہ مشاعروں میں پیش کی گئی تھیں، ان میں سے پہلی مثنوی "شبِ قدر" ہے اس کا شمار ایسی نظموں میں کیا جاتا ہے، جن سے جدید اُردو شاعری کی ابتدا ہوتی ہے۔"شبِ قدر" کا ایک ٹکڑا ملاحظہ کیجئے جو اپنے موضوع اور اسالیب کی بدولت کلاسیکی نظمیہ رنگ سے مختلف نظر آتا ہے:

ہونا وہ بعد شام شفق میں عیاں ترا
اُڑنا وہ آبنوس کا تختِ رواں ترا
اے رات سنتا ہوں کہ ترے سر پہ تاج ہے
ہر گوہر اس میں ملک جش کا خراج ہے
دنیا پہ سلطنت کا تری دیکھ کر حشم!
کھاتا ہے دن بھی تاروں بھری رات کی قسم

انجمن پنجاب کے موضوعاتی نظمیہ مشاعروں یںں مولانا آزاد کی جو دوسری نظمیں مقبول ہوئیں، اُن میں مشہور نظم مثنوی "صبحِ اُمید" اور "ابرِ کرم"، خاص اہمیت رکھتی ہیں "ابر کرم" اور مولانا الطاف حسین حالی کی نظم "برکھارُت" کا موضوع ایک جیسا ہے۔ مولانا آزاد کی نظم "ابرِ کرم" ایک حصہ دیکھئے:

بُوندوں میں جُھومتی وہ درختوں کی ڈالیاں
اور سبز کیاریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں
وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے ڈھلک رہے
وہ کیاریاں بھری ہوئی تھالے چھلک رہے
آبِ رواں کا نالیوں میں لہر مارنا
اور رُوئے سبزہ زار کا دھو کر سنوارنا
گرنا وہ آبشار کی چادر کا زور سے
اور گونجنا وہ باغ کا پانی کے شور سے
جل تھل ہیں کوہ و دشت میں تالاب آب کے
گویا چھلک رہے ہیں کٹورے گُلاب کے

مولانا محمد حسین آزاد کی یہ نظم "ابرِ کرم" بھی مولانا الطاف حسین حالی کی نظم "برکھارُت" کی طرح نیچرل اور فطری بہاؤ کی حامل ہے۔

انجمن پنجاب کے تحت نیچرل شاعری کی تحریک میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی نے اُردو لفظوں میں ڈکشن کی بجائے مواد پر زیادہ زور دیا۔ پروفیسر فتح محمد ملک نے لکھا ہے:

آزاد اور حالی کے تنقیدی نظریات کے زیرِ اثر جس قسم کی شاعری پروان چڑھی اُس میں ہم پیرویِ مغرب کی پہلی منزل پر پہنچتے ہیں۔ عظمت اللہ خاں کی شاعری اور تنقید پیروی ءمغرب کی دوسری اور زیادہ خطرناک منزل ہے۔ "سریلے بول" کے شروع میں اُنھوں نے "شاعری" کے عنوان سے اپنا ایک طویل مضمون شامل کر رکھا ہے یہ جو اس مضمون کو مقدمہ شعر وشاعری، جتنی اہمیت حاصل نہ ہو سکی تو اِس کا سبب یہ ہے کہ مولانا حالی اس نظام تعلیم و تربیت کے پروردہ تھے جو صدیوں سے ہندوستان میں قائم رہا تھا اس لیے وہ مقدمہ شعر وشاعری میں ملٹن اور کارلائل کا حوالہ تو دے سکتے تھے، مگر تنقید شعر کے مشرقی نظریات سے آگہی کی بدولت وہ عظمت اللہ خاں کی طرح اپنے مقدمہ کو شیکسپیئر کی ایک معمولی نظم سے شروع نہ کر سکتے تھے۔(21)

مولانا الطاف حسین حالی اُردو کے پہلے شاعر اور نقاد ہیں جنھوں نے اُردو شاعری میں ردیف اور قافیہ سے رہائی کے حوالے سے بات کی، بعد ازاں اسی خیال کو مولانا محمد حسین آزاد اور عبد الحلیم شرر نے مزید پروان چڑھایا اور یوں اُردو ادب میں نظم معرّیٰ کا رجحان پیدا ہوا۔ 1897ء میں نظم طباطبائی نے انگریزی زبان کے شاعر گرے کی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

مشہور نظم "ایلجی" کا "گور غریباں" کے نام سے ترجمہ کرکے رسالہ "دلگداز" میں شائع کیا، اسی طرح شرر بھی نے منظوم ڈرامے کو "نظم غیر مقفیٰ" کا نام دے کر منظرِ عام پر لائے۔ یوں تو برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے انگریزی الفاظ اُردو زبان کے بطون میں اُتر نا شروع ہو گئے تھے، تاہم فورٹ ولیم کالج کلکتہ، دلی کالج اور اورینٹل کالج جیسے تعلیمی اداروں کی بدولت انگریزی شاعری اور تنقید اُردو ادب میں راہ پانے لگی، انہی اثرات کی بدولت مولانا محمد حسین آزاد نے بعض انگریزی نظموں کے اُردو میں تراجم کیے، جو اُن کے مجموعہ "خم کدہ" میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے تین اور نظموں کی نشاندہی کی ہے جو انگریزی سے ترجمہ ہیں، یہ نظمیں حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ اندھی پھول والی کا گیت - لارڈ لٹن
۲۔ موسمِ سرما کا آخری گُلاب - ٹامس مور
۳۔ اُجڑا ہُوا گھر (13)

مذکورہ بالا تراجم کا سلسلہ بھی دراصل انجمنِ پنجاب کے موضوعاتی مشاعروں کا مرہونِ منت ہے، اِس حوالے سے پروفیسر فتح محمد ملک کی یہ رائے خاص اہمیت رکھتی ہے:

اُردو شاعری کے جس حصے کو جدید شاعری کا نام دیا گیا ہے اُس کے اولین نمونے مولانا آزاد، مولانا حالی اور اُن کے حلقۂ متاثرین کی وہ نظمیں ہیں جو اُنھوں نے انجمن پنجاب لاہور سے منسلک ہونے کے بعد لکھیں یا ترجمہ کیں۔ انجمن پنجاب کا پہلا اجلاس 15 اگست 1867ء کو ہوا جس میں مولانا آزاد نے اُردو شاعری کے عام مواد پر عدم اطمینان کا اظہار کرنے کے بعد حاضرین با تمکین کو اُردو شاعری کے احیاء کی دعوت دی۔ سات برس بعد اسی انجمن کے زیرِ اہتمام "نیچرل شاعری" کا پہلا مشاعرہ منعقد ہوا۔ (14)

اس موقع پر مولانا محمد حسین آزاد نے جو تقریر کی وہ بھی اس اعتبار سے اہم ہے کہ اِس میں اُنھوں نے نہ صرف جدید شاعری لکھنے کی ترغیب دی، بلکہ انگریزوں اور انگریزی زبان کی مدح سرائی کی تمام حدیں پار کر دیں، اس ضمن میں مولانا محمد حسین آزاد کے اِس پہلو کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ اُن کے والد مولوی محمد باقر کو 1857ء کی جنگِ آزادی میں بغاوت کے الزام میں پھانسی دی گئی تھی۔ "اور اسی موقع پر آزاد اپنی جان بچا کر دہلی سے بھاگے تھے اور مدتوں ایک شہر سے دوسرے شہر منہ چھپائے پھرے تھے، بلکہ بعد میں اپنی خیر خواہی ثابت کرنے کے لیے اُنھوں نے حکومت کے ایک سرکاری مشن پر ایران کا سفر بھی اختیار کیا، جسے آزاد کے بعض سوانح نگار ایک طرح کا جاسوسی مشن قرار دیتے ہیں۔ بہر حال آزاد اس طرح آزاد نہ تھے کہ ملکی اور قومی سیاست کے باب میں کچھ کُھل کر کہہ سکیں۔" (15)

ہر چند کہ مولانا محمد حسین آزاد قومی سیاست کے باب میں کھل کر کچھ کہنے سے یقیناً قاصر تھے، تاہم جدید شاعری کے ضمن میں اُن کی تقریر انگریزوں کے نزدیک آنے میں اُن کے لیے ضرور مددگار ثابت ہوئی، مولانا آزاد کی مذکورہ تقریر سے اقتباس ملاحظہ کیجئے:

تمہاری شاعری چند محدود احاطوں بلکہ چند زنجیروں میں مقید ہو رہی ہے، اس کے آزاد کرنے میں کوشش کرو۔

اور وہ یوں کہ:

نئے انداز کے خلعت جو آج کے مناسب حال ہیں، وہ انگریزی صندوقوں میں بند ہیں کہ ہمارے پہلو میں دھرے ہیں اور ہمیں خبر نہیں۔ ہاں ان صندوقوں کی کُنجی ہمارے وطن کے انگریزی دانوں کے پاس ہے۔ (16)

مولانا الطاف حسین حالی اور مولانا محمد حسین آزاد کی طرح مولانا شبلی نعمانی بھی ایک منفرد نثر نگار اور شاعر تھے۔ شبلی جدید عصری تقاضوں اور ماضی کی روایات کے امین قلم کار تھے۔ وہ ایک مورّخ، سیرت نگار، محقق، نقاد اور انشا پرداز کی حیثیت سے بھی بہت مقبول تھے۔ شبلی کے شعری تیور، مولانا حالی اور اکبر الہٰ آبادی سے قدرے مختلف ہیں۔ سیّد وقار عظیم رقم طراز ہیں:

یہ آواز ایک صاحبِ بصیرت مورّخ کی بھی ہے، ایک حق پسند سیاسی مبصر کی بھی اور ایک بے باک شاعر کی بھی جس نے تاریخ اور سیاست کے حقائق کو شاعری کے سانچے میں ڈھالا ہے اور شاعر کو مصلحت کی راہ چھوڑ کر حق گوئی کا مسلک اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ (17)

اس میں شک نہیں کہ برصغیر میں اسلام کی سربلندی کے لیے علماء کرام نے بہت کام کیا ہے اور اِس جدوجہد میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ مولانا شبلی نعمانی کی نظموں میں اِس احساس کو بخوبی محسوس کیا جاسکتا ہے:

پہنائی جا رہی ہیں عالمانِ دیں کو زنجیریں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

یہ زیور "سیّد سجاد" عالی کی وراثت ہے
یہی دس بیس اگر ہیں کشتگانِ خنجر اندازی
تو مجھ کو سُستی بازوئے قاتل کی شکایت ہے
شہیدانِ وفا کے قطرئہ خوں کام آئیں گے
عروسِ مسجد زیبا کو افشاں کی ضرورت ہے
عجب کیا ہے جو نوخیزوں نے سب سے پہلے جانیں دیں
کہ یہ بچّے ہیں اِن کو جلد سو جانے کی عادت ہے

(مولانا شبلی نعمانی)

برصغیر کی اُردو شاعری میں شبلی اور اکبر دو ایسے شاعر تھے، جو برصغیر اور پورے عالمِ اسلام میں اسلام کی سربلندی کے دل وجان سے خواہاں تھے، اِن حالات میں شبلی نے اپنی عظیم روایات کے احیاء کی خواہش کی اور اکبر نے مغربی تہذیب کی یلغار پر طنز کیا۔ اِس حوالے سے اکبر کے احساسات کی جھلک اِن اشعار میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے:

خبر دیتی ہے تحریک ہوا تبدیل موسم کی!
کھلیں گے اور ہی گُل زمزمے بُلبل کے کم ہوں گے
عقائد پر قیامت آئے گی ترمیم ملّت سے
نیا کعبہ بنے گا، مغربی پتلے صنم ہوں گے
کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہو گا نہ غم ہو گا
ہوئے جس ساز سے پیدا اُسی کے زیر و بم ہوں گے
تمھیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہے وہ دن کہ تم ہو گے نہ ہم ہوں گے

اسی عہدِ افتراق میں برج نرائن چکبست (1886ء- 1962ء) جیسے قابلِ قدر شاعر بھی موجود تھے، جو مسلم ہندو اتحاد کے داعی تھے اور برصغیر میں اِن دونوں قوموں کے وجود کو اہم سمجھتے تھے۔

اہلِ وطن مبارک تم کو یہ بزمِ اعلیٰ
جس میں نئی اُمیدوں کا ہے نیا اُجالا
دنیا کے مذہبوں سے یہ رنگ ہے نرالا
مسجد یہی ہے اپنی اور ہے یہی شوالا

اسی دور میں انگریزوں کی سیاسی مصلحتیں عروج پر تھیں، برصغیر میں انگریزی تعلیمی نظام اور انجمن پنجاب جیسے ادبی اداروں کے ذریعے اُردو شاعری میں بھی نئے رجحانات شعوری طور پر پیدا کیے جا رہے تھے۔ پروفیسر فتح محمد ملک کے بقول:

عظمت اللہ خاں بریڈلے کی اِس بات پر ایمان لانے کے بعد، کہ شاعر کا کام تخیلی پیکروں کا پیدا کرنا ہے، ہمیں جن تنقیدی نظریات سے روشناس کراتے ہیں اُن میں اُردو شاعری کو غزل اور قافیہ کے استبداد سے نجات دلانا اور نظامِ عروض کو عربی کی بجائے ہندی پنگل کی بنیادوں پر قائم کرنا زیادہ اہم ہیں۔ اِن کے خیال میں اُردو شاعری کو عجمی اسلامی روایات سے الگ کر کے "آریائی بوباس" دینا وقت کا سب سے اہم ادبی مسئلہ ہے۔(18)

اسی دَور میں "دلگداز"، "مخزن" اور "ہمایوں" جیسے رسالوں میں نیچرل شاعری کے فروغ کے لیے راہیں ہموار کی جارہی تھیں، اِن رسالوں میں انگریزی نظموں کے تراجم مغرب کی پیروی کے اسباب پیدا کرنے کا سبب بنے۔1923ء کے شروع میں "اُردو شاعری اور بلینک ورس" کے عنوان سے مولانا تاجور نجیب آبادی کا ایک مضمون شائع ہوا۔ اِس مضمون کے آخر میں وہ اُردو نظم و نثر کی اصلاح کے لیے اپنا آئندہ پروگرام درج کرتے ہیں۔ اِس پروگرام کی صرف چند شقیں ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ اُردو سے عربی اور سنسکرت کے ثقیل الفاظ نکال کر اسے عام فہم ہندی بنانا۔

۲۔ عام ہندوستانی زبان کے مطابق گرائمر تیار کرنا۔

۳۔ اُردو نظم کو ہندی وزنوں میں منتقل کرنا۔

۴۔ اُردو نظم میں لیلیٰ مجنوں، رستم و سہراب، نرگس و بُلبل کی بجائے ہندی مضامین، ہندی خیالات اور ہندوستانی واقعات کو بیان کرنا۔

ستمبر 1923ء میں اُنھوں نے ایک اور مضمون "اُردو نظم ہندی بحروں میں" شائع کیا جس میں کہا:

اُردو شاعری کو ملکی بنانے کی کوشش کرنا، ہر شاعر کو اپنا فرض سمجھنا چاہیے۔ اگر ملک کے دس سر برآوردہ شاعر بھی اُردو نظمیں ہندی وزنوں میں کہنا شروع کر دیں تو ایک ہی سال میں ہندوستانی جذبات کا سیلاب دجلہ کی بجائے گنگا کے رُخ بہنے لگے گا۔(19)

اِس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو میں جدید اور نیچرل شاعری کے فروغ کے لیے کیا کیا کاوشیں کی گئیں اور قدیم تشبیہات کی جگہ نئے استعارات، بحور اور علامات کو رائج کرنے کا شعوری طور پر التزام کیا گیا۔

جدید نظم نگاری میں مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، اکبر الٰہ آبادی اور برج نرائن چکبست کے ساتھ معروف فلسفی اور شاعر علامہ اقبال کا نام سب سے نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ علامہ اقبال ایک نئی شعری اور علمی ادبی روایت کے ترجمان ہیں۔ اقبال کے فکری و تخلیقی اظہار سے قبل برصغیر میں سرسیّد کی تعلیمی اور تہذیبی تحریک اپنے دور رس اثرات مرتب کر چکی تھی، علامہ اقبال کی ابتدائی تربیت اُن کے والدین اور اُن کے اُستاد مولوی میر حسن نے کی، بعد ازاں اُنھیں پروفیسر آرنلڈ جیسا عظیم اُستاد میسر آیا، اقبال نے شاعری کا آغاز کالج کی زندگی میں کیا، اُن کی ابتدائی شاعری میں اُردو کی قدیم روایت کا آہنگ پایا جاتا ہے تاہم علامہ اقبال کے شعری خدوخال یہ بھی بتاتے ہیں کہ اُنھوں نے مولانا الطاف حسین حالی، اکبر الہ آبادی اور مرزا اسد اللہ خاں غالب جیسے عظیم شعراء کے اثرات کو فکری طور پر محسوس کیا ہے۔ اقبال کا ابتدائی کلام "مخزن" میں شائع ہونا شروع ہوا جو نئے خیالات اور اسالیب کے حوالے سے اپنی الگ پہچان رکھتا تھا۔ اِس سلسلے کی اولین نظم کوہِ ہمالیہ سے خطاب ہے جو "بانگِ درا" میں شامل ہے۔ اقبال یہ نظم برصغیر پاک و ہند کی عظمت اور قدامت کی علامت کے طور پر اُبھرتی ہے۔ "ہندوستانی بچوں کا قومی گیت"، ترانہ ہندی، بچوں کے لیے انگریزی زبان سے نظموں کے تراجم اس کی تخلیقات کا حصہ ہیں۔

1905ء سے 1908ء تک یورپ میں قیام نے علامہ اقبال کے افکار میں ایک انقلاب برپا کر دیا، فلسفہ اور مغربی تہذیب و تمدن کے مطالعے نے اُن پر نئے نئے آفاق روشن کر دیئے۔ اسی دوران اقبال کو مغربی تہذیب کو سمجھنے کا موقع ملا اور اُن پر اس تہذیب کے دوُرخی اور استحصالی نظام بھی آشکار ہو گیا اور یوں اقبال مغرب کے سب سے بڑے نکتہ چیں بن گئے، یورپ سے واپس آکر علامہ اقبال نے "شکوہ" اور "شمع و شاعر" جیسی عظیم نظمیں تخلیق کیں۔ شکوہ میں "مسدسِ حالی" کا اثر نظر آتا ہے اور "شمع و شاعر" اقبال کے فکری نظام کی ترجمانی کرتی ہے۔ اقبال کی شہرہ آفاق نظم "خضرِراہ" 1921ء میں منصہ شہود پر آئی، جو عالمِ اسلام کے انتشار اور جنگِ عظیم کے اثرات کو نمایاں کرتی ہے۔

زندگی کا راز کیا ہے؟ سلطنت کیا چیز ہے
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش
بیچتا ہے ہاشمی ناموس دینِ مصطفےٰ
خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش
آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

1922ء میں علامہ اقبال کی ایک اہم نظم "طلوعِ اسلام" منظر عام پر آئی، اقبال کی اِس نظم میں نیا عہد طلوع ہو رہا ہے، اس دور میں اقبال کے ہاں ایک نیا موڑ نظر آتا ہے۔1935ء میں اقبال کے اُردو کلام کا دوسرا مجموعہ "بالِ جبریل" اور 1936ء میں تیسرا مجموعہ "ضربِ کلیم" شائع ہوا اور یوں اس عہد میں علامہ اقبال کی اُردو شاعری فکری و فنی معراج پر نظر آتی ہے۔ پروفیسر محمد فتح ملک رقم طراز ہیں:

اقبال کی شاعری ایک ایسے شخص کی شاعری ہے، جس نے انگریز کی چھوٹی بڑی سیاسی مصلحتوں کی بجائے بین الاقوامی صورتِ حال کا مشرقی انداز سے مطالعہ کر کے اپنے فنی شعور کی تربیت کی ہے۔(20)

بیسوی صدی کے ابتدائی برسوں میں فرائیڈ اور کارل مارکس کے نظریات اُردو شعر و ادب کے قارئین اور تخلیق کاروں پر تیزی سے اثر انداز ہونا شروع ہوئے، فرائیڈ انفرادی لاشعور اور کارل مارکس سماجی شعور کے پرچارک تھے، لہٰذا "اِن نظریات کی روشنی میں فن کار نے انسان کے جلال و جمال سے آنکھیں چار کیں تو وہ عظمتِ انسان کا کچھ یوں معترف ہوا کہ غلامی اور محکومی کا تصور بھی محال ٹھہرا۔ اقبال بین الاقوامی ادبی فضا میں سانس لینے والا شاعر ہے۔ اُس کی موجودگی میں "سُریلے بول" قسم کی شاعری تو نہ پنپ سکی مگر خود اپنی شاعری کے پھیلتے اثرات کے تحت ہی بہت جلد اِس کے خلاف ردِّ عمل شروع ہو گیا۔ اس ردِّ عمل کی وجہ اقبال کی شاعرانہ عظمت ہی نہیں، تحریکِ خلافت کی ناکامی اور لارڈ میکالے کا نظامِ تعلیم بھی اس سلسلے میں زبردست محرکات کی حیثیت رکھتے ہیں۔"(21)

اقبال کے بعد ظفر علی خان کی شاعری بھی اقبال کی فکری روایت سے مکمل طور پر مربوط اور پیوستہ ہے۔ ظفر علی خان ایک شعلہ بیاں مقرر اور شاعر تھے، انگریزوں کے ظلم و جبر کی تصویر کشی یوں کرتے ہیں:

ہلاکو کو عبث تاریخ میں بد نام کرتے ہیں
بچارے نے نہتوں پر دیا کب حکم فائر کا

مولانا ظفر علی خان کے سیاسی اشعار کے علاوہ اُن کے کلام کا ایک بڑا حصہ اسلام کی عظمت اور رفعت کا آئینہ دار ہے۔ اُن کی نعتیہ کلام میں:

"دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمھیں تو ہو"

اور

"وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں"

بہت مقبول نعتیہ شاعری ہے، مولانا ظفر علی خان ایک سچے مسلمان تھے، اسی لیے وہ اکبر الہ آبادی کی طرح اہلِ مغرب کی کھوکھلی تہذیب کے مخالف تھے۔

دورِ جدید میں نظم کی روایت کو مستحکم کرنے میں جوش ملیح آبادی کا نام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ جوش ایک بیباک اور انقلابی شاعر تھے، جوش کا اولین شعری مجموعہ "روحِ ادب" کے نام سے ۱۹۲۰ء میں منصہ شہود پر آیا، اُن کی مشہور نظم "خیالاتِ زریں" کا ایک بند ملاحظہ کیجئے:

اسباب تمول زنجیریں، ایوانِ حکومت زنداں ہے
دلچسپ جسے تو سمجھا ہے، وحشت کا وہ ساماں ہے
سکّوں کی چمک پر مرتا ہے، دولت کے لیے سرگرداں ہے
تو رازِ فنا معلوم تو کر دنیا کے لیے کیوں حیراں ہے
اس شے سے تعلق ہی کیا، جو چیز کہ جانے والی ہے
سامان تعیش جمع کیے جا، موت بھی آنے والی ہے

(جوش ملیح آبادی)

بیسویں صدی اُردو نظم کے لیے بہت سازگار ثابت ہوئے کیونکہ اِس میں تکنیک کے نئے در وا ہوئے، اُردو نظم کے اِس باب میں ہیئت اور تکنیک کے حوالے سے شرر کا نام خاص اہمیت رکھتا ہے۔ حفیظ جالندھری بیسوی صدی کے اہم شاعر ہیں، اُن کی نظموں میں مناظرِ فطرت اور رومان کا گہرا تاثر پایا جاتا ہے، حفیظ کی اصل پہچان اُن کی مشہور تصنیف "شاہنامہ اسلام" ہے علاوہ ازیں پاکستان کا قومی ترانہ بھی حفیظ جالندھری کی اہم تخلیق ہے۔ اُردو میں رومانوی تحریک کے زیرِ اثر معروف نظم نگار اختر شیرانی کی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

سانیٹ کے انداز میں لکھی ہوئی نظمیں بھی بہت مقبول ہوئیں، انگریزی نظموں کے تراجم کے اثرات علامہ اقبال جیسے عظیم شاعر اور فلسفی کے ہاں بھی موجود ہیں۔ "بانگِ درا" کے حصہ اوّل میں ایسی نظمیں شامل ہیں جو انگریزی شعری ادب سے ترجمہ یا موخوذ ہیں۔ سرور جہاں آبادی جیسے خوبصورت نظم نگار کے ہاں مرغابی، ترانہ، خواب بچہ اور ہلال، کارزارِ ہستی اسی طرز کے تراجم میں نادر کاکوردی نے بائرن اور ٹامس مور سے اثر قبول کیا اور ٹامس مور کی نظم "لالہ رخ" کی طرز پر ایک اُردو نظم "لالہ رُخ" تخلیق کی، اُردو زبان وادب میں موضوع اور تکنیک کے تجربات کے ضمن میں شرر، اسماعیل میرٹھی، نادر کاکوردی کے نام بہت اہمیت کے حامل ہیں تاہم عظمت اللہ خان نے اُردو نظم کو زبان و بیان کے مقامی دھارے میں شامل کرنے کی شعوری کوشش کی، اُن کی نظم "مجھے پیت کا یاں کوئی پھل نہ ملا" کا ایک حصہ ملاحظہ کیجئے:

مجھے پیت کا یاں کوئی پھل نہ ملا
مرے جی کو آگ لگا سی گئی
مجھے عیش یاں کوئی پل نہ ملا
مرے تن کو آگ لگا سی گئی

عظمت اللہ خان ہندی بحروں کے اسیر ہو کر فارسی بحور و اوزان سے رہائی کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں، اسی لیے اُن کے ہاں ہندی الفاظ محاورات اور ہندو دیومالا کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔ 1930ء کے آس پاس جو اہم شاعر طلوع ہوئے وہ غزل کے ساتھ نظم کی نئی روایت کے علمبردار تھے، اِن شعراء میں فراق، فیض، مجاز، جذبی، جاں نثار اختر، اختر الایمان، میراجی، راشد، سلام مچھلی پوری، احمد ندیم قاسمی، حفیظ ہوشیار پوری، عدم، سیف، ظہیر کاشمیری، ساحر، یوسف ظفر، قیوم نظم، باقی صدیقی، احمد راہی، ناصر کاظمی، کے نام نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ مذکورہ بالا نسل کے زیادہ تر شاعر ترقی پسند تحریک کا باقاعدہ حصہ بنے اور یوں اُردو نظم میں ترقی پسند خیالات و نظریات کا چلن عام ہوا، ۳۰ء کے دہائی میں اُردو نظم اور جدید افسانہ بالخصوص نئی تحریکوں کے زیرِ اثر رہا اور یوں دوسری عالمی جنگ اور 1947ء کے اثرات اِن دونوں اصناف ادب پر معروضی اور فکری طور پر مرتب ہوئے۔

1947ء کے بعد ترقی پسند شعراء کی نظموں میں ایک نیا شعور ملتا ہے، ہجرت اور تقسیم کے بعد پیش آنے والے واقعات کا جو ردِ عمل ایک حسّاس اور تخلیقی اِنسان پر ہونا چاہیے اُس کا اظہار اِن شعراء کی نظموں میں ملتا ہے۔

1936ء میں لکھنؤ میں انجمن ترقی پسند مصنفین کا پہلا اجلاس منشی پریم چند کی صدارت میں منعقد ہوا، اُنھوں نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ "ہم ادب کو عوام کے قریب لانا چاہتے ہیں اور اِسے زندگی کی عکاسی اور مستقبل کی تعمیر کا موثر ذریعہ بنانا چاہتے ہیں۔" برصغیر میں ترقی پسند تحریک اس لیے بھی مقبول ہوئی کہ اِس سے پہلے رومانیت کی تحریک نے ادیبوں اور قارئین کو حقیقی فضا سے خاصا دُور کر دیا تھا۔ ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

ترقی پسند تحریک نے اُردو ادب میں ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا، رومانیت نے ادب کو حقیقت سے دُور تاثرات کی ماورائی دلدل میں پھنسا دیا تھا، رومانی ادیبوں کے نظموں میں رنگ و نُور تھا، اُن کی کہانیوں میں صنوبر کے سائے اور غیر ارضی حسن کی پرچھائیاں تھیں، اِن کی تنقید الفاظ اور ہیئت کے طلسم میں غوطہ لگاتی اور جمالیات کے موتی نکالتی تھی، اختر شیرانی، حجاب امتیاز علی، ڈاکٹر بجنوری کی روایت ایک عظیم ورثہ ہے، لیکن یہ جاگیر اپنے قرضے ساتھ لائی اور یہ قرض ترقی پسندوں نے ادا کیا۔ ترقی پسند تحریک نے پہلی بار صاف لفظوں میں ادب کو آسمانی صحیفہ قرار دینے کی بجائے اُسے سماجی مسائل کے ادراک اور اِن کے حل کا ذریعہ بنایا۔(22)

ترقی پسند تحریک نے اُردو ادب پر گہرے اثرات مرتب کیے اور ہمیں فکری و فنی اسالیب کے نئے سلسلے نظر آتے ہیں، ترقی پسند نظم نگاروں میں فیض، مجاز، جذبی، جاں نثار اختر، ساحر، احمد ندیم قاسمی، ظہیر کاشمیری، حبیب جالب اور جوش کی نظمیں معروضی زندگی کی حقیقتوں اور مسائل کو اُجاگر کرتی ہیں، ترقی پسند تحریک کے فوراً بعد جو ادبی روایت پروان چڑھی، وہ حلقۂ اربابِ ذوق کے نام سے پہچانی جاتی ہے اور حلقہ اربابِ ذوق کے ذریعے جو نظم نگار نمایاں ہوئے اُن میں میراجی، منیر نیازی، مختار صدیقی، یوسف ظفر، مجید امجد، قیوم نظر اور وزیر آغا کے نام نمایاں ہیں، جدید نظم کی تحریک ۱۹۴۷ء کے بعد عروج پر پہنچی اور اِس تحریک میں تصدق حسین خالد، میراجی اور ن۔ م راشد کو بہت زیادہ شہرت ملی۔ مذکورہ بالا نظم نگاروں کی شاعری میں ماورائیت، تحلیلِ نفسی، تاثریت، سریت اور اظہاریت کے اثرات نمایاں ترین تھے۔ اُردو ادب میں جدید نظم نے بہت کم عرصے میں اپنی شناخت کے مراحل طے کیے اور یوں اُردو زبان کے بیشتر شعراء کا غزل کی بجائے نظم کی طرف رجحان زیادہ ہو گیا۔ آزاد نظم کی پیش رفت میں میراجی اور ن۔ م راشد کی تخلیقی کاوشیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ ڈاکٹر سید عامر سہیل لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

جدید نظم کے اندر تیسرا اہم فکری دھارا، ن۔م راشد کی شکل میں بہتا ہے۔راشد کی آواز، لہجہ اور اُسلوب اپنے ہم عصروں سے الگ تھا اور یہ لہجہ روایت سازی کی صلاحیت رکھتا تھا۔جدید نظم میں شعراء کی طویل فہرست میں ایک منفرد آواز اختر الایمان کی ہے جو اپنے مواد اور پیش کش میں قابلِ تقلید خصوصیات کی حامل ہے جب کہ ایک اہم نام مجید امجد کا بھی ہے۔(23)

جدید اُردو نظم کے ابتدائی سفر میں تصدق حسین خالد کی ابتدائی کاوشوں کے بعد ن۔م راشد کے مجموعہ کلام "ماورا" نے آزاد نظم کو متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا، اسی طرح حلقہ اربابِ ذوق نے ادبی حلقوں میں تحرک پیدا کیا اور مجلسی زندگی میں ایک ایسے باب کا اضافہ کیا جو اُردو نثر اور شاعری کے لیے یکساں اہمیت کا حامل تھا۔ ن۔م راشد، میراجی اور فیض احمد فیض کے ہم عصر مجید امجد جدید اُردو نظم کے ایک اہم شاعر ہیں، وہ بڑے ادبی مراکز سے دُور رہنے کے باوجود اپنی ایک الگ شناخت رکھتے تھے۔ڈاکٹر سید عامر سہیل کے بقول:

مجید امجد کے یہاں موضوعات اور اُسلوب کی سطح پر جو تبدیلیاں دیکھنے کو ملتی ہیں وہ اُن کے ذاتی محسوسات کا حصہ ہیں۔جس دَور میں راشد، میراجی اور فیض احمد فیض نئی نظم کی بنیاد رکھ رہے تھے، اُس دَور میں مجید امجد روایتی موضوعات اور ہئیتوں میں خود کو بیان کر رہے تھے جو اِس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اُن کے یہاں جدّت کا احساس کسی ردِ عمل کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ تبدیلی اُن کے اندر سے بیدار ہوئی تھی۔(24)

مجید امجد کا تخلیقی کمال یہ ہے کہ وہ اپنا شخصی تعلق کائنات کے تمام مظاہر اور اِس میں رہنے والی مخلوق سے جوڑ کر اپنا تخلیقی اظہار کرتا ہے۔اس ضمن میں مجید امجد کی نظم "بن کی چڑیا" ملاحظہ کیجئے:

صبح سویرے بن کی چڑیا من کی بات بتائے
جنگل میں سرکنڈوں کی کونپل پر بیٹھی گائے
کیا گاتی ہے؟ کیا کہتی ہے؟ کون اس بھید کو کھولے؟
ظالم تنہائی کا جادو ویرانوں پر کھیلے
دُور سرابوں کی جھلمل روحوں پر آگ اُنڈیلے
نوک نوک، خار کھلنڈرے ہرنوں کو کلپائے
گانے والی چڑیا اپنا راگ الاپے جائے

(مجید امجد، "بن کی چڑیا")

جدید اُردو نظم کا جو سفر برصغیر کی آزادی سے قبل شروع ہوا، اُس کا تخلیقی اظہار آزادی کے بعد بھی جاری وساری رہا، نظم کے اس سفر میں جن شعراء نے اعتبار حاصل کیا اُن میں ترقی پسندوں اور حلقہ اربابِ ذوق کے نظم نگاروں کے بعد خلیل الرحمن اعظمی، وزیر آغا، اختر حسین جعفری، وحید قریشی، شہزاد احمد، شہاب جعفری، شاذ تمکنت، مظہر امام، عمیق حنفی، عرش صدیقی، عزیز حامد مدنی، بلراج کومل، ظہور نظر، جیلانی کامران، زبیر رضوی، بشر نواز، راج نرائن راج، باقر مہدی، غلام جیلانی اصغر، حمایت علی شاعر، کمار پاشی، ندا فاضل، انور سدید، مغنی تبسم، شمس الرحمن فاروقی، اعجاز فاروقی، افتخار عارف، ممتاز العیشی، ذوالفقار تابش، اسلم انصاری، حسین سحر، اقبال ارشد، محمد امین، ممتاز اطہر، انور جمال، حسن اکبر کمال، جاذب قریشی، سرور کامران، اعجاز راہی، فہمیدہ ریاض، وحید اختر، کشور ناہید، نسرین انجم بھٹی، تبسم کاشمیری، طاہر تونسوی، شبنم رومانی، انیس ناگی، جعفر طاہر، عبدالعزیز خالد، عارف عبدالمتین، فرخ درانی، توصیف تبسم، سلیم کوثر، ریاض مجید، محمد افسر ساجد کے نام نمایاں ہیں۔

جدید اُردو نظم نے بیسویں صدی کی وسطی دہائیوں میں جو مقبولیت حاصل کی اس کی مثال نہیں ملتی تاہم جدید نظم کی مقبولیت اور عروج کے زمانے ہی میں اس کے خلاف ردِ عمل بھی سامنے آیا۔اِس حوالے سے ڈاکٹر روش ندیم لکھتے ہیں:

تیسرا دَور ساٹھ کی دہائی میں "جدید نظم" کے مقابلے میں لسانی تشکیلات کے حامل "نئی نظم" پر مشتمل ہے۔اِس دور میں یورپ کے جدیدیت، ساختیات اور وجودیت جیسے نئے ادبی، لسانی اور فلسفیانہ نظریات کی بنیاد پر جدید نظم میں داخلی وخارجی سطح پر بنیادی تبدیلیوں کے لیے تنقیدی تصورات سامنے آئے۔خارجی سطح پر لسانی حوالے سے جدید نظم پر

غزل کی فارسیت زدہ زبان کے کلاسیکی اثرات کے خلاف شعور دیا گیا جو لسانی حوالے سے ن۔م راشد تک موجود تھے اور نئی سماجی صورتِ حال میں متروک ہوتے جا رہے تھے۔(25)

اُردو نظم میں اس رویے کو جن شعراءنے زیادہ شدت سے قبول کر کے فروغ دینے کی کوشش کی اُن میں افتخار جالب، جیلانی کامران، وزیر آغا، انیس ناگی، احمد ہمیش، عباس اطہر، ظفر اقبال، قمر جمیل، عبدالرشید، سرمد صہبائی، احمد شمیم، اختر احسن، آفتاب اقبال شمیم، زاہد ڈار، سلیم الرحمن، فیاض تحسین، سعادت سعید، فہیم جوزی، علیم اللہ عالی، ساحل احمد، انور زاہدی، خاور اعجاز، مناظر عاشق ہر گانوی، حیدر قریشی، سہیل احمد خان، نصیر احمد ناصر، خالد اقبال یاسر، صلاح الدین پرویز، شاہین مفتی، اظہر جاوید اور عرفانہ عزیز کے اسماء نمایاں ہیں۔

ڈاکٹر روش ندیم کے بقول:

جدید نظم نگاری کا ایک گروہ اسّی کے دہائی تک اِس رجحان کی نمایندگی کرتا رہا۔ اِن میں سے غالب شعراءنے آزاد نظم کی ہیئت کو فروغ دینے میں بنیادی کردار ادا کیا۔(26)

اسّی کی دہائی کے بعد جدید نظم نگاری میں نئے زمانے کی دستکیں نمایاں طور پر محسوس کی جا سکتی ہیں، اِس دہائی کے بعد الیکٹرانک میڈیا، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ جیسی نئی ایجادات نے پوری دنیا کو گلوبل ویلج میں تبدیل کرنے میں اہم کردار ادا کیا، لہٰذا جدید اُردو نظم میں موضوعاتی اور فنی سطح پر بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور یوں یہ سلسلہ نوّے کی دہائی سے ہوتا ہوا اروں صدی کی پہلی دہائی تک پھیل گیا۔ اس عہد میں جدید نظم کی کتب کی اشاعت غزلیہ مجموعوں کے برابر نظر آتی ہے جو اِس بات کی دلیل ہے کہ نئی نسل کے شاعر نظم سے اپنی تخلیقی رشتہ اور زیادہ مستحکم کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے انوار فطرت، ممتاز اطہر، جاوید انور، عباس تابش، اختر شمار، سعید احمد، روش ندیم، ارشد معراج، عابد سیال، رضی الدین رضی، شاکر حسین شاکر، خلیق الرحمن، علی محمد فرشی، کوثر محمود، داؤد رضوان، فرخ یار، رفیق سندیلوی، سلیم آغا قزلباش، نصیر احمد ناصر، پروین طاہر، خاور اعجاز، بشریٰ اعجاز، رانا سعید دوشی، قمر رضا شہزاد، انجم سلیمی، یوسف خالد، سیّد عامر سہیل، ممتاز عارف، کاشف رضا، غزالہ خاکوانی، وحید احمد، ابرار احمد، افتخار شفیع، فرحت عباس، جواز جعفری، ماہ طلعت زاہدی، ارشد نعیم، ناہید قمر، نثار ترابی، علی یاسر، اختر رضا سلیمی، مرتضیٰ اشعر، طارق حبیب، کوثر ثمرین، خالد ریاض خالد، خالد معین، اعجاز رضوی، اصغر عابد جیسے نظم نگاروں کے نام نمایاں ہیں۔ اُردو ادب میں جدید نظم کا سفر انجمنِ پنجاب کے نظمیہ مشاعروں سے شروع ہو کر عصرِ رواں تک بہت سے نئے رنگوں اور منظروں سے ہمکنار ہوتا ہے۔ غزل کی نسبت نظم میں فکری و فنی تجربات و مشاہدات کی فراوانی اِس بات کی غمازی کرتی ہے کہ اُردو نظم عصر حاضر کی ایک مقبول ترین صنفِ سُخن بن چکی ہے۔

حوالہ جات

1۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، ”آج کا اُردو ادب“، فیروز سنز، لاہور، 1970ء، ص7۔

2. Dr. Ishtiaq Hussain Qureishi "The Struggle for Pakistan" Chapter II, Page 18.

3۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، ”آج کا اُردو ادب“، ص11۔

4۔ ایضاً، ص22۔

5۔ ایضاً، ص24۔

6۔ ایضاً، ص25۔

7۔ سیّد عبداللہ، ڈاکٹر، ”سرسید احمد خان اور اُن کے نامور رفقاء کی اُردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ“، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008ء، ص44۔

8۔ ایضاً، ص78۔

9۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر، ”آج کا اُردو ادب“، فیروز سنز، لاہور، 1970ء، ص68۔

10۔ ایضاً، ص69۔

11۔ الطاف حسین حالی، مولانا، ”کلیات حالی“، مرتب ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1968ء، ص56۔

12۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، ”تعصبات“، لاہور، مکتبہ فنون، 1973ء، ص93۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.3 2021

13۔ محمد حسین آزاد، حیات اور تصانیف، حصہ دوم، ص203۔

14۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، ’’تعصبات‘‘، مکتبہ فنون، 1973ء، ص90۔

15۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، ’’آج کا اُردو ادب‘‘، لاہور، فیروز سنز، 1970ء، ص74۔

16۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، ’’تعصبات‘‘، ص91،92۔

17۔ وقار عظیم، شبلی کی سیاسی شاعری، مقالات یوم شبلی، مرتبہ حافظ عبید اللہ خاں، اُردو مرکز، لاہور، 1921ء، ص45۔

18۔ فتح محمد ملک، پروفیسر، ’’تعصبات‘‘، ص94۔

19۔ ایضاً، ص95۔

20۔ ایضاً، ص97۔

21۔ ایضاً

22۔ محمد حسن، ڈاکٹر، ’’ادبی تنقید‘‘، س۔ن، ص95۔

23۔ سید عامر سہیل، ڈاکٹر، ’’مجید امجد نقش گر ناتمام‘‘، پاکستان رائٹرز کو آپریٹو سوسائٹی، لاہور، 2008ء، ص218۔

24۔ ایضاً، ص226۔

25۔ روش ندیم، ڈاکٹر، ’’آزاد نظم: تعارف، تاریخ اور صورتِ حال‘‘، مطبوعہ ’’دریافت‘‘، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز، اسلام آباد، شمارہ 10، جنوری 2011ء، ص873۔

26۔ ایضاً